اسماء ندیم

مقالہ نگاری اور اسکا مقام مختلف اقوام میں

In this article, there is a study of the essence of essay writing through a study of the principles set in Arabic, French, English and Urdu languages on essay writing. An effort has been made by the writer to find out the fundamentals of essay writing and its literary implications.

••*•*•*•*•*

مقالہ کا مفہوم مغرب میں:

فن مقالہ نگاری میں دائرۃ المعارف لاروس (انسائیکلوپیڈیا) (1) ایک بہت بڑا نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ دائرۃ المعارف مکمل آزادی سے لکھا گیا ہے اور یہ کتاب مختلف تدبر وتفکر کی عکاسی کر رہی ہے مثلا مقالہ نگاری کے حوالے سے کلمہ ESSAVER ہے اسکا معنی ''کوشش کرنا'' ہے۔ ایک فرانسیسی ادیب میشیل دی موتینی MICHEL DE MONTANIE (1533-1592ء) نے اپنی کتاب کو ''ESSAIS'' ''کوشش'' کا نام دیا۔ اس کی پہلی دو جلدیں 1580ء میں شائع ہوئیں اور اس کی تیسری جلد 1588ء میں شائع ہوئی۔ اس مصنف کے معاصرین نے اس کے کام کو بہت سراہا ہے۔ یہاں تک کہ اس فرانسیسی مصنف کی شہرت فرانس سے سفر کر کے برطانیہ پہنچی تو اس نے انگریزوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ پھر جون فلوریو John Floria نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں 1603ء میں کیا۔ اس طرح موتینی کے طرز تحریر نے انگریزی طرز تحریر کو بھی متاثر کیا۔

Scanned by CamScanner

اسی طرح فرانسی بیکن (1561-1626ء) Franci Bacon نے بھی مونٹینی کا طریقہ کار اپنایا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ موضوعات کے عنوان کو اپنانے میں بیکن Bacon نے بہت سوچ بچار سے کام کیا ہے۔ وہ ''ESSAYS'' ''کوشش'' کے عنوان کو اپناتا ہے اور یہی عنوان مونٹینی نے اپنایا تھا۔

یوں یہ کلمہ Essays انگریزی ڈکشنری میں داخل ہو گیا۔ یہ کلمہ ''Essays'' انگریزی کلمہ '' Assays'' کی جگہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور ''Assays'' جس کا معنی بھی ''کوشش'' ہی ہے۔ جیسا کہ فرانسیی کلمہ ''Essay'' کا بھی یہی معنی ہے جیسا کہ Oxford Dictionary میں لفظ Essay کا مفہوم جو کہ اصل فعل کی شکل میں آتا ہے۔ جیسا کہ اس میں ہے (2)ESSAY=To attempt,to try,to do یعنی کوشش کرتا ہے، کوشش کرنا، مضمون ایک ادبی تحریر ہوتی ہے جسکی لمبائی درمیانی یعنی معتدل ہوتی ہے اور جو کسی خاص موضوع یا عنوان پر لکھا جاتا ہے۔

ہسپانوی زبان میں بھی یہ کلمہ Ensayo استعمال ہوتا ہے اور اس سے فعل Ensayar ہے۔ اس کا بھی مفہوم ''کوشش کرنا'' ہے اور جو فعل معنی کے اعتبار سے اس کلمہ کے قریب ترین ہے وہ Tratar ہے۔ جس کے معنی بھی ''کوشش کرنا''، ''کسی بات کو زیر بحث لانا''، ''کسی بات کو نبھانا'' ہیں۔ یہ Tratado سے ہے اس کلمہ کا مفہوم ''مقالہ نویسی'' یا ''تحقیق نگاری'' ہے۔ یہ دونوں فعل، فعل Articular کا مفہوم سموئے ہوئے ہیں جس کا معنی ہے ''وہ بولا'' اور '' جدا کرنا''۔ اس فعل سے کلمہ Articdo یعنی مقالہ نویسی ہے لیکن ہسپانوی کلمہ Ensayo وہ مشہور کلمہ ہے جو فرانسیسی کلمہ Essai کے پورے مفہوم اور دلالت کے اعتبار سے مکمل ہے۔ جب ہم ہسپانوی مفاہیم پر نظر ڈالیں تو ان میں ماریہ مولینیر Maria Moliner اپنی ڈکشنری میں مقالہ نگاری کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے ''مقالہ نگاری مصنف کی کسی بھی موضوع کے بارے میں تفکر و تدبر کی عکاسی کا غماز ہے، کسی

Scanned by CamScanner

فلسفیانہ نظام کے بغیر''۔(3)

مقالہ نگاری عربوں کے ہاں:

جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے تو مقالہ نویسی مصدر میمی ''قول'' یعنی ''کہنا'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور اپنی کتاب ''لسان العرب'' میں ابو زید کی روایت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ''کتنا اچھا ہے تم سے جو کہا گیا اور تمھارا قول (بات چیت) تمھارا مقالہ اور جو اس نے کہا''(4)

اسکی مثال حطیئۃ کے شعر سے ملتی ہے:

تحنن علیّ هداك الملیک فان لکل مقام مقالا (5)

مجھ پر مہربانی کرے تجھے اللہ تعالیٰ ہدایت دے (جو مالک الملک ہے)۔ ہر ایک مقام کے لیے اس کی مناسب حال گفتگو ہوتی ہے۔

وقول آخر

مقاله السؤالی أهلها أسرع من منحدر السائل

برا مقالہ (بری گفتگو) اپنے کہنے والے کی طرف سیلاب کے بہاؤ سے زیادہ تیز لوٹتی ہے۔ (دوڑتی ہے)

ومن دعا الناس الی ذمه دموه بالحق وبالباطل(6)

جو لوگوں کو اپنی مذمت کی طرف بلاتا ہے۔ تو وہ اس کی مذمت کرتے ہیں یا تو سچائی یا باطل کے ساتھ (یا پھر) دونوں کے ساتھ۔

پھر مقالہ نویسی کے کلمہ نے خوب ترقی کی۔ یہاں تک کہ کتاب میں یہ ایک باب کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کلمہ کو باب کی شکل دینے والے مسلمان مصنفین ہیں۔ ایک باب ایک مقالہ پر مشتمل ہو یا زیادہ پر، لیکن موضوعات ایک دوسرے سے باہمی تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ابو الحسن الأشعری (7) کی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' ہے اور

Scanned by CamScanner

دوسری مثال ''الفہرست لابن ندیم'' ہے۔(8) اور تیسری کتاب ''المثل السائر'' ابن الاثیر'' کی ہے(9) یہ کتاب مقدمہ اور دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ ''مقالات الاسلامیین'' خوبصورت الفاظ کا بہترین نمونہ ہے جبکہ الفہرست معنوی اعتبار سے صفِ اول میں شمار ہوتی ہے۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب کو بہت سے مقالوں میں منقسم کیا ہے۔ جن میں سے ''مقالہالشعر'' ہے۔ دوسرا مقالہ تفسیر کے بارے میں ہے۔ ایک مقالہ حدیثؐ پر مشتمل ہے۔ ایک مقالہ صرف تاریخ کو ہی بیان کرتا ہے.....وغیرھا۔ جبکہ دوسری طرف فارسی زبان کا جائزہ لیں تو اس کو ''چھار مقالہ'' کے نام سے نظامی عروضی السمرقندی ۶۸۵ھ نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔

اس کو نظامی نے چار طاقتور لوگوں کی صفات سے متصف کیا ہے۔ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ان میں سے ایک ادیب ہے دوسرا شاعر، تیسرا ستارہ نواز اور چوتھا ڈاکٹر ہے۔ ان چاروں کے لیے مقالہ لکھا ہے خصوصی طور پر۔ یہ تمام کتابیں مقالہ نگاری پر دلالت کرتی ہیں۔(10) اور عصر حاضر میں مقالہ نگاری پر نظر ڈالی جائے تو عربی زبان کے اخباروں کے کالموں میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس تک محدود ہوگئی ہے۔ اور جو بہت سے مختلف عنوانوں کے رسالہ جات میں مقالے لکھے جاتے ہیں اس سلسلے میں جب میں نے معجم المصطلحات الادبیۃ جس کو مجدی وھبۃ نے لکھا ہے کو دیکھا تو وہ کہتا ہے۔ ''کہ ہر مقالہ نویس کی صفات میں یہ نہیں ہے کہ وہ مقالہ کو گہرائی میں لکھے۔ لیکن اسکی جو عام سوچ ہے وہ صرف اس کے موضوع کے دائرے میں ہی مقید رہتی ہے۔ اور وہ عام مختصر نثر تک ہی محدود رہتا ہے(11)۔

ایسے ہی مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بھی سامنے آئی کہ عربی ادب میں مقالہ کی تعریف یورپیوں کی مقالہ کی تعریفوں سے قریب ترین ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب اسلامی دائرۃ المعارف پر نظر ڈالی تو یہ چیز بھی سامنے آئی کہ اس کے مولف نے کلمہ ''مقالہ نویسی'' کا

Scanned by CamScanner

استعمال بات چیت میں ''Article'' کے معنی میں کیا ہوا ہے ۔ایسا لگتا ہے کہ مستشرق نے اپنی بات میں سوچ بچار کیا کہ جو کچھ بھی خاص رسالوں میں لکھا جاتا ہے یا جو کچھ بھی عربی اخباروں میں شائع ہوتا ہے اور لکھا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب ''Article'' پر اطلاق کرتے ہیں کیونکہ اس آرٹیکل کا اطلاق مصادر اور مراجع میں زیادہ بہتر انداز سے ملتا ہے کیونکہ یہ مراجع ہی ہیں جسکو آراء کے طور اور حواشی میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ وہ مقالات جو اخباروں میں شائع ہوتے ہیں عموماً ان میں مراجع کا استعمال نہیں ہوتا۔

عربی کے محترم استاد اُدھم (12) کی رائے میں ''مقالہ نویسی'' انواع ادب میں سب سے زیادہ تعریف کے حوالے سے رکاوٹ ہوتا ہے۔مقالہ نویسی کی حد بندی کرنا مشکل ترین کام ہے اور نہ ہی یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے (یا کوئی یہ دعوی کرسکتا ہے کہ وہ مقالہ نویسی کے ہر پہلو سے بہت اچھی طرح آگاہ ہے) تو مقالہ نویسی تحریر کی وہ قسم ہے جس کے لیے آراء کا متفق ہونا ناممکن ہے ۔ جیسا ستلاند(13) کی رائے میں مقالہ نویسی کبھی نثر اور کبھی شعر کہنا ہے کبھی یہ مقالہ طویل تحریر پر مبنی ہوتا ہے تو کبھی اتنا مختصر ہوتا ہے جیسا کہ ایک پرلطف مختصر لطیفہ اور کبھی تو مقالہ انتہائی سنجیدگی کو اپنے پہلو میں سموئے ہوئے ہوتا ہے اور کبھی بہت اہم موضوع کو روشناس کروا رہا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھار تو عام زندگی کے موضوعات میں سے ایک موضوع کے گرد گھوم رہا ہوتا ہے۔یہی ناقد مقالہ نویسی کے بارے میں رائے بھی دیتا ہے کہ مقالہ نویس اپنی تحریر میں بہت شاندار الفاظ کا چناؤ کرتا ہے جو کہ بہت بلیغ عبارات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس انتخاب کے ساتھ مقالہ نویس آسان وسبک اسلوب تحریر کو متعارف کرواتا ہے اس تحریر کے ذریعے اپنے آپکو مقالہ نگاری کی تہہ تک پہنچادیتا ہے۔(14)

اتنا کچھ جاننے کے بعد یہ کہنا بجا ہے کہ ادب کی تمام انواع واقسام کی جامع تعریف کرنا یقیناً ایک مشکل ترین کام ہے لیکن ادب کی اقسام میں سے کچھ اقسام کے واضح قوانین موجود ہیں اور کچھ اصول وضوابط ہیں جن تک ایک مصنف آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

پس ''قصہ گوئی کے خاص قواعد ہیں ۔ جن کو عام طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ڈرامہ نویسی کے بھی اصول ہیں جن پر قصہ مشتمل ہوتا ہے جن کی تمام ڈرامہ نویسوں نے اپنی ڈرامہ نویسی میں تقلید کی ہے۔ اور اسی طرح شعر کے بھی خاص ارکان ہیں جن کا شعر کہتے وقت خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ سوائے مقالہ نویسی کہ ایک تو اسکی معین شکل وصورت کا تعین نہیں ہوسکا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ایک طرز تحریر ہے۔ کیونکہ ہر مقالہ نویس کی اپنی سوچ ہوتی ہے۔ وہ اس کی ہی تقلید کرتا ہے یا اس کا پابند ہوتا ہے

"Every mind has his own idea"

اس لیے مقالات کے طرز تحریر اتنے ہی ہیں جتنے اس کے لکھنے والے ہیں۔ کبھی مقالہ طویل اور کبھی مختصر ہوتا ہے۔ یعنی مقالہ نویس جس انداز میں سوچتا ہے، طویل یا مختصر۔ اس لیے مقالہ نویسی کی تعریف بہت مشکل ہے۔

مقالہ نویسی کی شرطیں:

یورپی نقاد نے ایک اچھے مقالہ کی شرائط وضع کی ہیں۔ منطق میں مقالہ نویسی بغیر کسی طرز تحریر کے ہے۔ یعنی منطقی نظر میں مقالہ اپنی پوری پوری آزادی حاصل کیے ہوئے ہے جو کہ غنائی شعر سے متاثر ہے۔ بعض اوقات تو مقالہ نویس بالکل ایک دہشت گرد یا انتقام لینے والے کی مانند ہوجاتا ہے۔ اپنے اردگرد کے ماحول کی وجہ سے جس میں وہ رہ رہا ہوتا ہے۔ اپنے انتقام کو اپنے مزاح اور لطف میں ملا لیتا ہے اور اس کا مقالہ بالکل رات کی قصہ گوئی کی مانند ہوجاتا ہے جو کہ دل پر بوجھ نہیں بنتا اور عقل کے لیے مفید ہوتا ہے۔ بسا اوقات مقالہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہوتا ہے جو کسی بھی معاشرے میں جنم لیتا ہے۔ اس قسم کی تحریر میں مقالہ نویس انتہائی آسان اسلوب اختیار کرتا ہے جو کہ عام زندگی کے طریقے سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔(15)

یقیناً یہ کہنا بجا ہوگا کہ نقاد نے جو شرائط وضع کی ہیں، مقالہ نویسی کے میدان میں

Scanned by CamScanner

ان میں سے بیشتر اچھی اور مناسب ہیں لیکن مقالہ نویسی منطق کی نظر میں بغیر کسی اصول وقانون کے ہے، ذہنی طور پر نا قابل یقین ہے۔ کیونکہ مقالہ کی خوبصورتی اسکی وسعت میں نہیں ہے اور نہ ہی وسعت کلام میں مزاح کے آثار متاثر کرتے ہیں۔ اور یہ وسعت نہ ہی فائدے کا موجب بنتی ہے۔ یقیناً یہ بات ماننی پڑے گی کہ مقالہ نویسی کے اصول وضوابط میں ہی خوبصورتی ہے اور ورطہ حیرت میں ڈالنے کا ڈھنگ ہے اور اسی میں لطف ہے اور یہی فائدہ کا منبع ہے۔ مقالہ پڑھنے والا، خواہ وہ قدیم یا جدید مقالہ پڑھ رہا ہو، تو وہ مقالہ کو اسکے اصول وضوابط پر رکھ کر ہی پرکھتا ہے۔ اور وہ ایک اچھے ناقد کی طرح مقالہ کی اچھائی اور برائی کو پرکھ سکتا ہے۔

مونٹینی اور بیکن کے مقالات بڑے اعلیٰ تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ پر لطف ہونے کے ساتھ ساتھ پر کشش بھی ہیں۔

کیا مقالہ نویسی کا فن آسان ہے یا دشوار؟

یہ سوال کافی مدت پہلے یورپی ادبی حلقوں میں اٹھایا گیا اور اسے دو قسموں میں منقسم کر دیا گیا۔

زیادہ تر لوگوں کی رائے میں مقالہ نویسی آسان کام ہے۔ اس رائے کے حامل اشخاص میں انگلش شاعر جورج گراب (George Grabe م)1754--1832(16) کی رائے ہے کہ مقالہ نویسی عوامی سوچ ہے کیونکہ ہر مصنف اپنی قریب ترین چیز سے ہی اپنے مقالہ کو مزین کرتا ہے اور عوام ہی اس کے قریب کی چیز ہے جس کی عکاسی اسکے مقالہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے ہر عام ذوق کے لیے یہ بہت ہی مناسب ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو مقالہ اپنی سادگی سے متاثر کرتا ہے اور مقالہ کی مختلف انواع ان کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں (17) اس کی رائے میں مقالہ سطحی طور پر لکھا جاتا ہے جبکہ اس کے موضوعات میں تنوع

Scanned by CamScanner

عرب مقالہ نویس بھی اس رائے کے حامی ہیں۔ ڈاکٹر بکری شیخ امین کہتے ہیں:

''یہ لچک ہی مقالہ سمجھنے کا جوہر ہے اور یہ سہولت ہی اس کے لکھنے میں اسکو شاندار بناتی ہے۔ لچک اور سہولت کے بیان نے ہی فن مقالہ نویسی کو وسعت بخشی اور یہی بنیادی سبب ہے کہ ادباء مقالہ نویسی کی طرف مائل ہوئے۔ جب بھی ان کے ذہنوں میں کوئی خیال یا فکر آتا ہے۔ اس میں کوئی حیرانگی کی بات نہیں اس کے بعد اگر وہ ادباء مقالہ نویسی کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے استعمال کرنے اور اس مقالے کے معانی کو قاری کے ذہن تک پہچانے کی سعی کرتے ہیں۔لیکن دوسرا گروہ جو اقلیت میں ہے، وہ مقالہ نویسی کو مشکل ترین فن تصور کرتے ہیں۔کیونکہ مقالہ نویس اپنے موضوع کو پوری طرح سموئے ہوئے ہوتا ہے۔پھر جب وہی مقالہ نویس اپنا مقالہ لکھتا ہے تو انتہائی اختصار سے کام لیتا ہے۔جیسا کہ مشہور ہے کہ اختصار مشکل ترین کام ہے۔(18) کیونکہ مقالہ نویسی میں جب بھی ترمیم کی جاتی ہے تو بہت سے اہم پہلوؤں کو بھی ختم کرنا پڑتا ہے۔جس سے اس مقالہ کے اہم تاثرات کے ختم ہونے کے بھی امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے مقالہ نویس پر واجب ہے کہ اس کی زیادہ تراش خراش سے بچے۔اسی نظریہ کے حامل فرانسیسی ناقد سینٹ بیف (19) کی نظر میں بھی مقالہ نویسی ایک انتہائی دشوار کام ہے۔ بلکہ تاثرات کو جامہ زنی کرنے کا مشکل ترین مرحلہ ہے کیونکہ مقالہ نویسی عقلوں کو منور کرتی ہے اور دلوں کو تقویت بخشتی ہے۔(20)

درحقیقت مقالہ نویسی کی نوعیت وطبیعت دونوں گروہوں کی نظر میں اختلاف کا سبب ہے۔ پہلا گروہ تو مقالہ نویسی کو محض ''رات کی قصہ گوئی'' کی مانند قرار دیتے ہیں۔ جو کہ طبیعت پر گراں نہیں گزرتی اور اس سے خوش ہوا جاتا ہے اور جس سے فارغ وقت کو بامقصد بنایا جاتا ہے۔ اس لیے مقالہ نویسی میں موضوع چھوٹا ہو یا بڑا بے فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن سینٹ بیوف کی نظر میں یہ محض ادب کی قسموں میں سے ایک ہے۔ یہ سینٹ بیف کی رائے ہے کہ مقالہ نویسی صرف اور صرف اہل بصیرت اور اہل عزم اور جدت پسند لوگوں

Scanned by CamScanner

کا کام ہے جو لوگوں سے ادب کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں۔ کم الفاظ میں زیادہ معانی سمو سکتے ہیں۔ ان صفات کے حامل لوگ ہی مقالہ نویسی کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس جماعت کی رائے میں زیادہ تر اخباروں اور رسالوں میں لکھے جانے والے مقالے ان سلسلوں کی کڑی ہیں۔ لیکن پہلی رائے کے مطابق وہ سب کچھ مقالہ نویسی ہی ہے۔ سینٹ بیف کی رائے میں مقالہ نویس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے موضوعات کو مقالے میں اپنائے۔ سو ہر موضوع مقالہ کے لیے موزوں نہیں ہوتا۔ مقالہ نویس کو اپنے علم پر بھر پور قدرت ہونی چاہیے جو دل پر اثر کرے۔ جو زمانے میں زندگی گزارنے کے گر سکھائے۔ وہ اپنے تاثرات کی ادئیگی میں بھر پور قدرت رکھتا ہو۔ اور مقالہ فائدہ مند ہونا چاہیے۔

مقالہ نویسی کی اقسام:

عرب میں مقالہ نویسی کے پڑھنے والوں کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے۔ رسمی اور غیر رسمی مقالہ۔ ڈاکٹر مجدی وھبۃ نے ان دونوں مصطلحات کی اس طرح تصویر کشی کی ہے۔ ان کی نظر میں مقالہ کی ایک قسم ''ضابطی مقالہ'' اور دوسری قسم ''آزاد مقالہ'' کی ہے اور یہ تقسیم انگریزی ادب میں بھی اکثر پائی جاتی ہے۔ (21) جبکہ ڈاکٹر محمد یوسف نجم کی رائے میں بھی مقالہ کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی عربی ادب میں ''مقالہ ذاتیہ'' یعنی ''مقالہ فی البدھی وذاتی'' اور ''مقالہ موضوعی'' یعنی ''بامقصد مقالہ'' (22)۔

اسی طرح ڈاکٹر طاہر مکی کا کہنا ہے کہ مقالہ کی دونوں قسم ہیں۔ خاص طور پر ذاتی مقالہ کی قسم میں مقالہ نویس کی شخصیت واضح طور پر جھلک رہی ہوتی ہے اعلیٰ وارفع ادبی اسلوب جس کا غماز ہے۔ اس میں احساسات بھی پائے جاتے ہیں اور یہ مقالہ احساسات کو اجاگر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے اور قاری کو اپنے سحر میں مبتلا کرتا ہے قاری اس کی تہہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم میں مقالہ نویس اپنے مقالہ کو موسیقیت سے آراستہ کرتا ہے۔ ابراھیم المازنی، ع[illegible] اور چارلس لامب انگریزی ادب میں ذاتی مقالہ کی مثالیں ہیں۔

Scanned by CamScanner

جبکہ اس کے برعکس مقالہ کی دوسری قسم یعنی مقالہ موضوعی'' بامقصد مقالہ نویسی'' میں مقالہ نویس تمام تر توجہ اس کے موضوع پر مرکوز رکھتا ہے۔ وہ اس مقالہ کولفظوں سے سنوارتا ہے اور اپنی شخصیت کو ہر طرح سے مقالہ کے حوالے کردیتا ہے۔اس قسم کی مقالہ نویسی میں سائنسی اسلوب اور طرزتحریر بڑا نمایاں ہے۔ اس قسم میں مصنف اپنے احساسات اور شخصیت کو یکجا کردیتا ہے۔

مقالہ نویسی کی تقسیم یوں بھی کی جاتی ہے:منظم مقالہ نویسی اور غیر منظم مقالہ نویسی،دراصل یہ تقسیم بہت مشکل ہے۔مغرب میں اس سوچ کونفسیاتی طور پرقبول نہیں کیا گیا ہے۔یہ رائے امریکی انسائیکلو پیڈیا میں بھی ہے۔ اس کی نظر میں مقالہ کی بہت سی اقسام ہیں(23)۔ اور اس کی متعدد صورتیں بھی اس میں بیان کی ہیں۔ مقالہ کی اس تقسیم میں جہاں مقالہ کی حد بندی میں ذاتی اور موضوعی کے قانون بالکل واضح نہیں ہیں۔ دوسرے اعتبار سے ہر مقالہ میں مصنف کی صفات بھی ساتھ ساتھ جھلک رہی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ مقالہ طب پر ہے یا ریاضیات پر۔ ویسے تو مقالہ کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔جن میں ادبی مقالے،تنقیدی،سائنسی،فلسفی،دینی،اجتماعی،تاریخی،سیاسی،اقتصادی حتیٰ کہ مزاحیہ مقالے بھی ان کا حصہ ہیں اور ان کے علاوہ بھی اور بہت سی اقسام ہیں۔بعض مقالات ایک دوسرے میں مدغم ہوئے ہوتے ہیں۔ جن میں سیاسی اور اجتماعی قسم کے مقالے ہیں یعنی یہ ایک دوسرے میں شامل ہوتے ہیں۔لیکن کسی بھی مقالہ کے سمجھنے کی بنیاد اسی تقسیم پر منحصر ہوتی ہے اور اگر یہ تقسیم موضوعات کی بنیاد پر ہوتو اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

سید قطب عربی ادب میں بہت اہم شخصیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے مقالہ کی تقسیم دوطرح کی ہے۔

1:۔ جذباتی مقالہ　　2:۔ فیصلہ کن مقالہ

پہلی قسم کا مقالہ'' سوچ '' پر انحصار کرتا ہے۔اور دوسری قسم کاانحصار مصنف کی تحریر پر

Scanned by CamScanner

ہے۔ ''ادبی عمل'' کی دو قسمیں ہیں جن پر مقالہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ظاہری طور پر یہ دونوں قسمیں مشابہت رکھتی ہیں جبکہ حقیقت میں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک جذباتی اور دوسری قسم تقریری ہے۔ زیادہ مناسب ہے کہ دونوں کے وصف میں فرق کریں۔(24)

یہ قسم جو سید قطب نے پیش کی ہے حقیقت میں مقالہ نویسی سوچ وفکر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ جو بھی مقالہ نویس اپنے مقالے میں پیش کرتا ہے۔ بہت اچھی تصویر کشی کرتا ہے۔جیسا کہ'' مونٹینی'' جس کا شمار فن المقال کے ''باپ'' کے طور پر ہوتا ہے۔اس کی یعنی سید قطب کی رائے ،اور یہی وہ مقال ہے جس کو دوسرے لوگ مقالہ نویسی موضوعی سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ قسم تحقیق کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔اس حقیقت سے انکار گریز ہے کہ کسی بھی مقالہ نویسی کی دو قسمیں ہیں ۔ایک تو احساسات کا عکاسی کرر ہے ہوتے ہیں اور دوسری احساسات سے دور رہنے کی کوشش میں رہتا ہے اور جو کچھ بھی ان دونوں سوچوں کا نچوڑ ہوتا ہے وہی مقالہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔جو کہ بہت مصطلاحات کا دعویدار ہو جو کہ کسی قاری کی سمجھ میں باعث رکاوٹ بنے یا تنقید کا سبب بن جائے۔

ڈاکٹر عزالدین اسماعیل ''سوچ'' کی مصطلح کا استعمال کیا ہے۔لیکن اس کو نثری صنف بنادیا۔ ڈاکٹرعز الدین کی نظر میں ''سوچ''یعنی یہ مصطلح ڈاکٹرعز الدین کے ہاں ایک ناپختہ سوچ کا مظہر ہے۔ نہ تو اس قسم کو اختیار کیا جاسکتا ہے نہ ہی چھوڑا جاسکتا ہے۔ اور یہ مقالہ نویسی میں حجم کے اعتبار سے مختصر تصور کیا جاتا ہے۔ اور اہمیت کے اعتبار سے کسی قاری کی نظر میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کا جاننا زندگی میں(25)۔اور بڑی عجیب بات ہے ڈاکٹر عز الدین بھی سید قطب کی رائے سے متفق ہیں۔ جو کچھ سید قطب نے مقالہ نویسی کے بارے میں کہا ۔ جبکہ سید قطب نے ''سوچ'' کو نثر کی اہم صنف تصور کیا ہے۔''سوچ'' کیا ہے ایک مختصر مقالہ نویسی کی شکل ہے۔اس کے ساتھ جو قسم مقالہ نویسی کی ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ ذاتی صفات سے مزین مقالہ نویسی ہے اس مقال میں ایک مقال نویس وہی کچھ

Scanned by CamScanner

پیش کرتا ہے جو کہ اس نے خاص ملاحظہ کے بعد قلم بند کیا ہوتا ہے۔ یہ قسم بھی مختصر مقالہ نویس کی قسم شمار کی جاتی ہے۔اس قسم کی مثال ہم کو عربی ادب کے مقالہ نویس'' احمد أمین'' کے مقالوں میں ملتی ہے۔ پھر اس نے ان مقالوں کو ایک کتاب ''فیض الخاطر'' میں جمع کر دیا۔ اس کتاب میں حجم کے لحاظ سے چھوٹے بڑے مقالے نظروں سے گزرتے ہیں۔ کچھ مقالوں کی قسم سیاست سے وابستہ ہیں۔ جو سیاسی مقالوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ جو کہ حالات حاضرۃ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان میں نہ تو سوچ کی گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی مختصر کرنے کی۔

لیکن اگر مقالہ کو حجم کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے یا تو وہ طویل ہو گا یا قصیر۔اس لیے مقالہ قصیرۃ کے لیے جو مصطلح عام ہو گئی ''Essayette''(26) اور یہی قسم ''مقالہ قصیر'' کہلاتا ہے۔اس کے برعکس فرانسی ادب میں اس قسم کو ''Causer'' کہا جاتا ہے۔ جو کے ادبی موضوعات کے لیے مخصوص ہے۔یہ کلمۃ ''Causer'' جو کہ فعل ہے اس کا معنی ''وہ بات کرتا ہے'' کہ معنی کا حامل ہے یہ مصطلح ''سنیت بیف'' کی باتوں کی بنیاد ہے۔جو کہ'' پیر کے دن'' کے بارے میں لکھتا ہے۔جس کی طباعت واشاعت ''پیر کی باتوں'' کے عنوان سے ہوتی ہے۔ Causeries du lundi(1851--1862)(27) جس کا شمار ہفتہ وار اخبارات میں شمار ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے مقالات ڈاکٹر طہ حسین کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ جو کہ سیاسی رسالے ''بدھ کے دن'' کے نام سے شائع ہوئے۔(28)

اس کے ساتھ ساتھ فرانسی ادب میں ''مقالہ قصیرۃ'' کے لیے ''Propos'' (29) کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔اس اصطلاح کا موجد فرانس کا ادیب امیل أغسط شادیز (1868--1951م) ہے جس نے اپنا نام بعد میں ''Alain'' منتخب کیا. یہ موجد مقالات قصیرۃ ''Proposed, un Normand'' کے نام سے شائع کرتا تھا یعنی ''نور ماندی شخص کی بات چیت'' پھر اس نے ان کو روزنامہ اخبار'' Depech de

Scanned by CamScanner

"Rouen" میں1906 سے1933 تک شائع کیا اور ہر مقالہ 800 کلمات پر مشتمل ہوتا تھا۔۔حتی کہ ایک " الالف" بھی زائد نہیں تھا لیکن " مقالہ طویل" کا حجم ایک مکمل کتاب کی شکل پر ہوتا تھا۔ جس کے مقال کی عکاسی جان ڈریڈن (1631--1700م)" مقالہ شعر ڈرامائی""ESSAY Of Dramatic Poesy" کے عنوان سے شائع ہوئی 1668م میں۔(30)

<u>نثری مقالہ اورشعری مقالہ</u>

عام طور پر جو بات ملاحظہ میں آئی ہے وہ نثری مقالہ ہی ہے۔لیکن نقاد" وسٹ لان" نے مقالہ کوشعر کی شکل میں بھی شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔(31)

کیونکہ انگریزی ادب کے شاعر الکسنوڈ پوپ (1688--1744) اپنے دو عدد طویل شعری مقالے قلم بند کیے ہیں "نقد کے بارے میں مقالہ" (1711)" Essay on Criticism"(32) اور اس ہی انگریزی نقد ادب کے شاعر کا دوسرا شعری مقالہ" انسان کے بارے میں" 1733م Essay on MAN شائع ہوئی(33)

ڈاکٹر طاھر مکی "ھوارس" کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں۔اس تحقیقی مقالہ کو جو کہ" فن الشعر" کے عنوان سے ہے۔ مقالہ شعری کا درجہ دے سکتے ہیں(34) اسی طرح یہ کاتب / ادیب مقالہ E s s a y امریکن انسائیکلو پیڈیا میں" نیقولا بوالو1636--1711 " فن الشعر" Lart Poetique کے نام سے ملتا ہے۔(35)

ڈاکٹر طاھر مکی اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ میری رائے میں یہ شعری مجموعہ تو ہے۔مگر میں اسکو مقالہ نویسی کا فن نہیں کہوں گا۔ "مقالہ" کو عنوان کے طور پر اپنایا ہے۔ جیسا پوپ نے کیا۔ یہ قصائد ہیں جنکا شمار تعلیمی اور فلسفی قسم کے اشعار میں ہوتا ہے۔ ان کا مقصد ھسف "معرفت" ... جو ... خاص تعلیمی قواعد کو رائج کرنا مقصود ہے۔

Scanned by CamScanner

اس قسم کی مثال عربی ادب میں ''ھوارس'' کی ہے۔ جو شعری مقالہ فن کے موجد ہیں۔ عربی ادب میں وہ ''صفی الدین الحلی'' (667--750ھ) میں ملتے ہیں (36) اور عائشہ الباعونیہ (922ھ) میں ہیں (37) ان لوگوں نے اشعار میں ''علم بلاغت'' کے قواعد کو رواج دیا اور عام کیا۔

مقالہ کی تاریخ/سوانح حیات

بہرحال مقالہ نویسی کی جڑیں قدیمی تاریخ کا ایک جز ہی ہیں۔ کتنے ہی پرانے مقالے ہیں جن کو پڑھا گیا۔ اور کتنے ہی پرانے مقالے ہیں جن کو مقالہ کا نام ہی نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ ''فرانسی بیکن'' اس بارے میں کہتا ہے۔ ''مقالہ کلمہ تو جدید ہے مگر چیز پرانی ہے''۔ The word is new but the thing is anicent اس بات کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ مصطلح ''مقالہ نویسی نئی پیداوار ہے''۔ جو کہ مونتینی Montaini کے مقالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن مقالہ نویسی کی پیداوار پرانی ہے۔ جیسا کہ ''شخصیات Characthers'' جس کو تیوفراستیوس Theophras tus نے تیسری صدی میں شائع کیا (38) جو مختلف قسم کی شخصیات کی انواع پر مشتمل ہے۔ اور اس طرح کی کتاب ''سینیکا'' Senecs جو کے پہلی صدی میں ''مقالہ لوسیلیوس'' کے نام سے شائع ہوئی۔ Epistle to Lualls.

اس طرح مارکوس اور یلیوس Marcus Aurelius (121--180م) نے بیشمار مقالات لکھے۔ جن کو ''سوچ وفکر'' کے نام دیا گیا۔

اور اس طرح افلاطون کے تنقیدی مقالے بھی اس کی کتاب ''الجمہوریۃ'' میں موجود ہیں۔ جس نے ان مقالوں کا اختتام نفیس شہر سے شعراء کا اخراج پر کیا ہے۔ عربی ادب میں جن مقالہ نویسوں کا شمار ہوتا ہے۔ وہ حافظ ہیں ''رسالۃ الجواری والغلمان'' الحسن البصری نے بھی ''رسالۃ معاش'' شائع کیا۔ ابوحیان التوحیدی نے ''دوستی اور دوستی'' کے نام

سے مقالہ شائع کیا۔(39)

ڈاکٹر عبد العزیز عتیق اپنی کتاب ''نقد ادبی'' میں کہتے ہیں ''عربی ادب میں خطبہ مقالہ نویسی کی پہلی شکل ہے۔ پہلا مقالہ اسی ہی کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی پیدائش ہی سے نظری نثری ادب کا آغاز ہوا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خطابات چاہے تالیف کئے گئے ہوں یا فی البدی کہے گئے ہوں جو ان کو مفرد بناتی ہے وہ الفاظ کا انتخاب ہے جو کہ سامعین کو بہت متاثر کرتے ہیں اور خطیب اپنے احساسات کو کیسے جھلکا رہا ہوتا ہے۔ اور یہی چیز قابل غور ہوتی ہے۔ اور یہی چیزیں خطابات کو مکتوب مقالہ میں فرق کا باعث بنتی ہیں۔(40) یہ رائے تو ڈاکٹر عبد العزیز کی ہے۔ لیکن یہ تو جائز ہی نہیں کہ خطبہ کو مقالہ کا درجہ دیا جائے دو مختلف بنیادوں اور اصولوں پر مشتمل چیزیں ہیں۔ خطبہ سراسر ''زبانی فن'' کے زمرے میں آتا ہے۔ جو کہ مختصر ہوتا ہے۔ اور اس میں استطراد ناممکن ہوتا ہے۔ جو کہ مقدمۃ، موضوع اور خاتمہ پہر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ مقالہ عام بات چیت کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبد العزیز نے ''فن مقالہ'' کو بھی مقالہ کا درجہ دے دیا۔(41)

میرے خیال میں ''مقامۃ'' عربی زبان کی مقالہ نویسی کی ایک خاص صنف ہے۔ یہ کسی دوسری زبان میں نہیں پایا جاتا۔ یہ مندرجہ ذیل اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسلوب ہم قافیہ ہم ردیف یعنی مسجع ہوتا ہے۔ اور ایک حکایت ہوتی ہے۔ یا موضوع جس پر مقامۃ تحریر کیا جاتا ہے اس میں ایک ہیرو ''بطل'' اور ایک روایت کرنے والا ضرور ہوتا ہے۔ جبکہ یہ تمام خصوصیات ایک مقالہ میں نہیں پائی جاتیں۔ مقالہ نویسی کا تاریخی ارتقاء تو انتہا ہی طویل سلسلہ ہے۔ جس میں تھوڑا ہی سا نمونے کے طور پر بحث میں لایا گیا ہے۔

صحافت اور مقالہ نویسی

جرائد نے جنم لیا تو مقالہ نویسی کی راہ ہموار ہوئی جسے The Tatler (1709) میں ابتداء ہوئی۔ پھر اخبار The Spectator (1711) میں جنم لیا۔ جن میں بڑے بڑے

Scanned by CamScanner

مقالہ نویس نے اپنے مقالے شائع کیے۔جن میں ریچرڈ شیل اور جوز فادیسن اور جانیشنز اولیفر گولڈ سیمتھ جیسے مقالہ نویسوں نے اپنے مقالات شائع کیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اخبارات میں اضافہ ہوتا رہااور مقالہ نویسوں نے بھی ان اخبارات میں بھی آگے نکلنے کا جذبہ شروع ہو گیا۔اخباروں کے مطالعہ نگاروں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔اس طرح مقالہ نویسی میں بڑے بڑے مقالہ نگاروں نے جنم لیا۔ انگریزی ادب میں چارلز لیمپ (1775--1834) کو انگریزی ادب کے مقالہ نویسیوں کے بادشاہ کا لقب نوازا گیا۔ اوراس کے مقالات کو آخر میں ایک کتاب کی شکل دے دی گئی ۔ جو کہ'' ایلیا کے مقالات'' سے جانی جاتی ہے۔Essays of Elia(42)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مقالہ نویسیوں کے نام بھی بڑے نمایاں طور سامنے آئے جن میں :۔

۱۔ ولیم ھازلیت(1778--1838)
۲۔ توماس دی کینسی (1785--1859)
۳۔ توماسکاریل(1795--1882)
۴۔ستیفنسن (1850--1894) ۔

اوراس طرح بیسوی صدی میں اخباری مقالوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ ان میں جو سب سے مشہور شخصیت سامنے آئی وہ تشتر ون''G.K Chesterton'' (1874--1936) (43)اسپین میں جو چیدہ چیدہ مقالہ نگار گزرے ان میں اوناملو'' Mingule de Unamuno''(1864---1936)(44) اس کے تمام مقالات کو جمع کر کے چھاپہ گیا اسکی موت کے بعد، اور جو مقالات اس کی زندگی میں نشر ہوئے ان کو ''Ensayos'' کا نام دیا گیا 1916--1918 تک چھپے۔ ان مقالات نے اسپانوی باشندوں پر بڑا اثر چھوڑا ۔ اس طرح اسپین میں اور تیجا ای جاسیت 1883 سے 1955

Scanned by CamScanner

Jose Ortegay Gass بھی گزرا ہے۔ اس کے مقالے ''فکری سوچ'' کا منہ بولتا
ت تھے۔ اس کے اسلوب سے خوبصورتی جھلک رہی ہوتی تھی۔اس طرح کویبا کا ایک مقالہ
یں جسکا نام ''روبرٹ فرناڈس ریٹا مار'' ہے جو کہ خالصۃً تنقیدی مقالے لکھتا ہے اس کا مجموعہ
قالات ''دوسرے دنیا کے مقالات'' کے عنوان (1967م)(45) میں منظر عام پر آیا۔

عربی جرائد اور فن مقال

جب محمد علی حکم الدیار نے مصر کی حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو محمد علی نے ''جنرل آفس'' کے نام سے ایک اخبار شروع کیا۔ اور قلعہ کو چھاپہ خانہ بنایا۔ ایک بڑی تعداد اس اخبار کی شائع ہونے لگی۔ تقریباً روزانہ ۱۰۰ عدد اخبار روزانہ چھپتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے آفیسرز میں تقسیم کیا جاتا۔ پھر اس اخبار کو عوامی اخبار کا نام دے دیا گیا اور اس کو'' الوقائع المصرية'' یعنی مصری حوادث کا نام دے دیا گیا اس کا پہلا شمارہ (1828م) (46) ہفتے میں دو یا تین بار چھپا کرتا تھا۔ اسلامی دنیا میں اس اخبار کی کوئی مثال نہیں ملتی (47)۔ فی سنہ م میں'' أحمد فارس الشریاق'' نے ایک اخبار نکالنا شروع کیا جس کا نام ''الجوائب فی آلاستانہ'' جو اس کی سیاسی آراء پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور نظام حکومت اور مشورہ جات بھی ہوئے کرتے تھے۔اس میں ادبی صحفی مقالہ بھی ہوتا تھا۔(48)

أحمد فارس نے بتایا ''جوائب'' سے مراد ناگہانی خبریں ہیں یہ اخبار اس ہی قسم کی خبروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (49) اس کے ساتھ یہ اخبار زبان اور ادب کے بہت سے زرخیز سوچوں کا منبع بھی تھا۔ اس میں یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ یہ مقالہ نویسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سلیم فارس الشریاق نے ان مقالات کو چُنا اور پھر ''کنز الرغائب فی منتخبات الجوائب'' کے نام کی کتاب میں شائع کیا۔ ۱۸۶۶م میں، حلب شہر میں ''الفرات'' نامی اخبار شایع ہوا جو کہ ۲ زبانوں میں شائع ہوا پہلی عربی اور دوسری ترکی زبان تھی۔ پھر بیروت میں ''الیسوعیون'' کے نام سے مطبع کی تعمیر ہوئی۔ اس میں صرف عربی زبان کا اخبار شائع ہوا

Scanned by CamScanner

جسکا نام ''البشیر'' تھا ۱۸۷۰ میں۔ اور اسماعیل خدیوی کے عہد میں مصر میں ''روضۃ المدارس'' کے نام سے، جس کا محرر ''بیگ فھمي'' تھا ۱۹۷۰ میں، اور اس سے ایک سال پہلے ابراھیم الھویلحی اورت محمد عثمان جلال نے مل کر ایک اخبار شائع کیا ''نزھت الافکار'' کے نام سے۔ اور اس طرح اسماعیل کے دور حکومت میں عبد اللہ ابو السعود نے ''وادی النیل'' کے نام سے اخبار شائع کیا۔ اور محمد أنسي نے ''روضۃ الاخبار'' کے نام سے اخبار شائع کیا۔ جیسا کہ بلاد شام میں اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی اضطراب بہت تھا جیسا کہ آزادی کا بھی خوب چرچا تھا اس لیے کافی اخبار اور رسالے منظر عام پر آئیں، اس کے ساتھ ساتھ حکومت مصر نے اخباروں پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی مگر چند ایک کے (50)

ان اخباروں میں سے ''جریدۃ الاھرام'' کے نام کا سب سے پہلے اخبار شائع ہوا ۱۸۷۶۔۸۔۵ میں۔ اور اس کا ایڈیٹر (Editor) سلیم تقلا اور اسکا بھائی بشارۃ تھا۔ اور اس کو اسکندریۃ سے شائع کیا۔ ۱۸۹۹ میں قاھرۃ سے شائع ہوتا رہا۔ ابھی تک قاھرۃ سے شائع ہو رہا ہے (51) اور یہ اخبار فکری، لغوی اور مادی اعتبار سے روزنامہ اخباروں میں سب سے بہترین سمجھا جاتا ہے

جب انگریزوں نے ۱۸۸۲ میں مصر پر قبضہ کیا تو اس وقت مصریوں کے دلوں میں انتقام بھڑک اٹھی تو اس وقت اخباروں نے ان کی روحانی چھپے ہوئے احساسات اور آزادی کے مطالبے کو خوب اچھی طرح پیش کرنے کا موقع ملا۔ اور ان دنوں سب سے مشھور اخبار جو مذکورہ بالا احساسات کی عکاسی کر رہا تھا اسکا نام ''المؤید'' تھا جس کے بانی شیخ علی یوسف تھے۔ ۱۸۹۰ میں چھپا اور یہ قومی اخباروں میں اپنی مثال آپ تھا (53)۔ علی یوسف صبر کی صفت سے سرشار تھا اور اس اخبار نے اسلامی، سیاسی اور قومی مسائل کو بڑی خوبی سے ذکر کیا۔ قومی مسائل میں حجت کے ساتھ دفاع کیا۔ سھل اسلوب اور اسکی خوبصورتی اور بڑی گرمجوشی سے کام لیا جس نے قارئین کے دلوں کو موہ لیا۔ اسی طرح ادب کے میدان میں

Scanned by CamScanner

ادبی مجلات بھی منظر عام پر لائے گئے، جن میں سرفہرست ''الھلال'' قاھرۃ سے ۱۸۹۲م میں طباعت شروع ہوئی۔ ''المشرق'' بیروت سے شائع ہوا یہ پہلی بار ۱۸۹۸ میں پہلی بار شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ علمی رسالوں نے بھی جنم لیا۔ ''المقتطف'' بیروت سے شائع ہوا۔ ۱۸۷۲میں۔ پھر یہی رسالہ ۱۸۸۴مصر سے شائع ہوا۔ الاستاذ محمد کرد علی نے ''المقتبس'' کے نام سے دمشق میں ۱۹۰۸م رسالہ کی طباعت شروع کی۔ اور اسی طرح دینی مجلّات بھی شائع ہوئے جن میں سب سے اُھم ''المنار'' کے نام سے ہے۔ جسکے بانی الشیخ رشید رضا، انھوں نے اسکو قاھرۃ سے ۱۸۹۷م میں شائع کیا جس نے اسلامی دنیا میں دھوم مچادی اس کے ساتھ سیاسی پارٹیوں نے جنم لیا اور ہر پارٹی کا ایک اخبار تھا۔ جو اس کے مقاصد کی عکاسی کیا کرتے تھے۔ اپنی افکار کو ایک خاص انداز میں پیش کرتے اور اپنے مواقف کو دفاع کرتے۔ دوسری پارٹیوں کے حملے اور طنز کا جواب دیتے۔ ان اخباروں میں سے اخبار ''اللواء''، مصطفیٰ کامل نے شائع کیا اور اس طرح لطفی السید نے ''الجریدۃ'' کے نام سے شائع ہوا یہ تمام عرب ملکوں سے شائع ہوا۔ ان اخباروں میں سے بعض اخبار نے خصوصی اھتمام کیا۔ جیسے ''الأنیس الجلیس''، جس نے صرف عورتوں کے مسائل کو Deal کیا۔ جو کہ اسکندریۃ سے شائع ہوا پھر ''حواء'' قاھرۃ سے اور پھر لبنان سے شائع ہوا۔ اسکا نام ''ھوو ھی'' ''He and She''۔ اور جن عربوں نے امریکا شمالیۃ وجنوبیۃ کی طرف سفر شروع کیا فن مقال میں انھوں نے بہت نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے متعدد اخبار ورسائل شائع کیے جن میں ادب کی تجدید تھی ان میں ''السائح'' نام سے رسالہ شائع ہوا جو قلمی رابطہ کا سبب بنا۔ اور اس کی جبران خلیل جبران نے اسکی صدارت کی۔ اسکے ساتھ ساتھ ایلیا ابو ماضی نے ''الفنون'' کے نام سے ایک رسالہ شروع کیا ''العصبیۃ الأندلسیۃ'' برازیل سے شائع ہوا۔

اخبار ورسائل نے عربی ادب اور زبان میں جید کردار ادا کیا۔ خاص طور پر مقالہ

Scanned by CamScanner

نگاری میں، مقالہ نگاری کا دائرۃ وسیع ہو گیا۔موضوعات کے حوالے سے اور تعبیر کے حوالے سے بھی۔ اس طرح بڑے بڑے مصنفین ادب کے تھیٹر پر آئے اور فن کا مظاہرہ کیا جن میں عباس محمود العقاد، مصطفیٰ لطفی المنفلوطی، طہ حسین، ابراھیم المازني اور أحمد حسن الزیات وغیرھا بہت نمایاں ہیں(54)۔

أحمد حسن الزیات نے صحافت کے بارے میں کہا:

''اخبار چلتے پھرتے کسی بھی ملک میں سکول تصور کیے جاتے ہیں جو کے دیواروں میں محصور نہیں ہوتے اور مکاتب تعلیم میں تعلیم پھیلانے کا ایک نمایاں ادارہ ہیں عام لوگوں کو مہذب بناتے ہیں خاص افکار کو مرتب کرنے میں مددگار ہیں۔بنیادی عزم کو پروان چڑھاتے ہیں۔بدگوئی کی اصلاح کا سبب بنتے ہیں دور کی قوموں کی سوچ کو قریب لانے کا ایک ذریعہ ہے۔''

اور جن عربوں نے امریکا شمالیہ وجنوبیہ کی طرف سفر شروع کیا فن مقال میں انھوں نے بڑا أھم کردار ادا کیا۔انھوں نے بہت سے اخبار شائع کئے۔اور ان لوگوں نے ادب کی تجدید کی طرف بلایا اس کے شکل ومعنی کے اعتبار سے ان میں سرفہرست ''السائح'' و''الصالح'' ہے۔جن میں قابل ذکر جو چیز ہے وہ قلمی دوستی ہے۔ان میں سرفہرست جبران خلیل جبران تھا ''الفنون'' جس کو شاعر ایلیا ابو ماضی نے اپنی سر پرستی میں شروع کیا۔ اخباروں اور رسالوں نے عربی ادب اور زبان پر بڑا اثر انداز ہوئے۔خاص طور پر فن مقالہ نویسی نے کافی ترقی کی خصوصا موضوعات اور تعبیر کے حوالے سے، اس طرح بڑے بڑے کاتبوں نے جنم لیا اور منظر عام پر آئے اور انھوں نے اپنی افکار کو اس فن کے ذریعے پھیلایا یعنی مقالہ نویسی کے ذریعے، اور اس طرح ان کو اپنے احساسات اور موقف کو اس فن میں ڈھالنے کا موقع ملا۔ان چیدہ چیدہ کاتب میں سے محمد عبدہ، رشید رضا، اور امین رافعی اور عباس محمود العقاد (55) ہیں وغیرھم یہ سلسلہ جب شروع ہوا اور آج تک جاری ہے استاد

Scanned by CamScanner

اُحمد حسن الزیات صحافت کے بارے میں کہتے ہیں :''اخبار چلتے پھرتے سکول ہیں ملکوں میں'' جو کہ دیواروں کے درمیان محصور نہیں ہیں یہ سب سے وسیع نصیحت وارشاد کا وسیلہ تصور کیا جاتا ہے تعلیم کے دوسرے وسائل میں ۔ یہ اخبار عام لوگوں کو بھی مہذب بنانے کا ذریعہ ہیں ، ان کے پڑھنے سے خاص قسم کی افکار جنم لیتی ہیں ۔عزائم کو پختہ کرتے ہیں ۔ بری زبانوں کی اصلاح کا سبب بنتے ہیں دور قوموں کو قریب لاتے ہیں اور یہ اخبار تاریخ کا برتن تصور کیے جاتے ہیں کہ تمام افکار کو سموئے ہوئے ہوتے ہیں زمانے کے نشیب وفراز کا ریکارڈ رکھتے ہیں (56)۔بہرحال صحافت کی کہانی تو لا متناھی ہے اخبار کی اقسام کے بارے میں۔

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں ایک نئے مسلئے نے جنم لیا وہ یہ کہ'' کیا صحافی ادیب ہوتا ہے؟''تو طاھر الطناحی نے اس حوالے سے'' کہ کیا صحافی ادیب ہے؟ تو اس نے اس سوال کے چار جواب مختلف صحافیوں سے قلم بند کیںہیں یہ عبدالقادر حمزة ، اُنطون جمیل ،خلیل مطران اور اُحمد حافظ عوض ہیں ۔ان چاروں نے اس سوچ پر اتفاق کیا ہے کہ صحافی کو ضرور ادیب بھی ہونا چاہیے۔

ادبی اور صحافتی مقالہ نویسی میں فرق

یہ فرق کسی حد تک کافی مشکل ہے ۔ کیونکہ اس فرق میں عقلی اور وجدانی سوچ کا کافی دخل ہوتا ہے ۔مگر جو شخص ان دونوں قسم کی مقالہ نویسی میں سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تو اُدبی مقالہ کسی بھی اُدیب کے ذاتی تجربہ کو پیش کرتا ہے ۔ اور اس تجربہ نے اسکو متاثر کیا ہوتا ہے۔اس لیے ادبی مقالہ کافی طویل ہوتا ہے۔ جو کہ اس کے احساسات کی عکاسی کر رہا ہوتا ہے لفظوں میں ۔ اور اس وقت اُدیب اپنے تجربے کو دوسرے لوگوں کے لیے کسوٹی کے طور پر رکھتا ہے ۔'' موتینی'' فرانسی اُدیب اور ''المازنی''عربی اُدیب اس طرح کے مقالے لکھتے رہے جتنی بار یہ مقالے پڑھے جاتے میں اتنی بار ہی قاری پر کوئی نئی چیز اُدیب کے

Scanned by CamScanner

تجربہ میں سامنے آجاتی ہے جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان کے مقا
نئی امنگوں سے سرشار کرتے ہیں۔

لیکن صحافتی مقالہ ''ابن یوم'' کہلاتا ہے۔ جس نے کسی بھی واقعے سے جنم لیا ہے۔ صحافتی مقالہ کسی قسم کی تعبیر سے کافی دور ہوتا ہے۔ اس کا مقالہ نویس ایک اجتما معاشرے کی دور بین سے دیکھتا ہے۔ اس مقالہ میں وہ دوسروں کی آراء کو پیش کرتا ہے اپنی رائے کے بجائے۔ اس وقت تو اس قسم کے مقالے اپنے قاری پر اثرانداز ہوتے ہیں وقتی طور پر۔ لیکن اس قسم کے مقالے کی تاثیر جلد ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ تاثیر دیرپا نہیں ہوتی۔ کیونکہ روزانہ کے واقعات یکے بعد دیگرے جنم لیتے رہتے ہیں۔ اس طرح پہلے والے واقعات پڑھ کر بھلا دیئے جاتے ہیں۔ ان کی جگہ اگلے دن کے مقالے لے لیتے ہیں۔

ڈاکٹر ابراھیم امام کہتے ہیں: ''کہ اُدبی مقالہ کسی بھی قاری کے احساسات میں پیوستہ ہو جاتے ہیں لیکن صحافتی مقالہ اجتماعی احساسات کو سموئے ہوئے ہوتا ہے''۔

دوسری جانب ادراک کی وسعت کسی فرد کے نزدیک دنوں کے گزرنے میں ہے۔ یعنی معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ، یہ ترقی ماضی کے خیال کو وقت کے ساتھ ساتھ بدل دیتی ہے۔ یعنی جو کچھ بھی ماضی میں ہوا ہوتا ہے۔ اس وقت ادباء نے جن خیالات کا اظہار کیا ہوتا ہے۔ ان ماضی کے مقالات کو حال میں پڑھنے سے ان کی تاثیر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا جسکو اس وقت ہوتا۔ جب کہ ادبی مقالے اپنی تاثیر کو برقرار رکھتے ہیں۔ جو کہ انسانی احساسات کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں جو کہ انسان کے اندر کا مظہر ہوتا ہے۔

جبکہ ایک صحافتی اُدیب اس وقت صرف ایک حادثے کی گہرائی میں ڈوب کر لکھ ڈالتا ہے۔ وہ قاری کے احساسات سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس کے احساسات کو متحرک کرتا

Scanned by CamScanner

جب بھی کوئی اسکو پڑھے تو وہ اس مقالہ سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور اس متاثر ہوتا ہے۔اور احساسات کا سچا ہونا اور تعبیر کی خوبصورتی دونوں یعنی اُدبی اور صحافتی مقالے کی صفت ہے۔ اور عصر حاضر میں کتنے ہی مقالے ایسے ہیں جو صحافیوں کے ہاتھوں لکھے گئے کسی حادثے کی روشنی میں اور مقالہ وقت کے ساتھ گزرنے کے بہت مؤثر اور فائدۃ مند ہوتا گیا۔لیکن صحافتی مقالہ کی اھمیت اتنی ہی ہے آج اور کل کی۔آج وہ قاری کے احساسات کو بھڑکاتا ہے۔یا اس میں ایک کام کا ذکر ہوتا ہے۔یا کوئی جواب ہوتا ہے۔کسی خاس بات کا۔یا وہ مقالہ کسی بھی دنیا کے ممالک کی مشکلات کو منظر عام پر لاتا ہے۔یا پھر سیاسی احزاب کی شہرت کے چرچے ہوتے ہیں (مقالہ) انتخاب سے پہلے۔اس لیے بعض صحافتی مقالے مستقبل میں ماضی ہوجاتے ہیں۔لیکن ماضی ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی تاریخی اھمیت برقرار رہتی ہے۔

صحافتی مقالہ کی اقسام

صحافتی مقالہ صحافت کے اعتبار سے تین قسموں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ان میں پہلے درجہ پر افتتاحیہ(Leading article)۔دوسری قسم خبروں کے کالم اور تیسری قسم روزمرہ کی خبریں۔افتتاحیہ کا شمار کسی بھی اخبار میں سب سے زیادۃ اھمیت کا حامل ہوتا ہے۔اور اسکا ھدف یہ ہے کہ اخبار کی رائے قاری کو مطمئن کرے یا ایڈیٹر کی رائے اس مشکل میں کیا ہے اس وقت یا اس دن۔(57)

موضوعات کے اعتبار سے اخبار ان موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے جو معاشرے میں واقعات جنم لیتے ہیں لیکن صحافتی مقالہ نویس ان واقعات میں سے اُھم واقعات کو ہی قلم بند کرتا ہے۔اور اس کی اھمیت کا پیمانہ اس کے عام فائدے سے ہے۔اور وہ مقالہ معاشرے کی کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ہر خاص وعام کے لیے ہوتا ہے صحافتی مقالہ کا کاتب مقالہ نویس اس میں مزید سادگی سے کام لیتا ہے اسکو تجزیہ کرتے ہوئے اور اسباب بتاتے ہوئے کسی بھی خبر کو اچھا جانتا ہے کہ اسکی اھمیت اور جدت اور سچائی کو

Scanned by CamScanner

بتائے۔(58)صحافتی مقالوں کے مقاصد مندرجہ بالا ہیں وہ خبریں ہیں وہ خبریں تفصیل، رہنمائی اور لطف اندوز ہونا ہیں۔ مقالہ نویسی کی یہ شرط ہے کہ اسکا مقصدضرور ہو اور بہت واضح اسلوب میں لکھا ہوا ہونا چاہیے ۔اس مقالہ کو اس طرح منظر کشی کرنی چاہیے کہ قاری فوراً متاثر ہو جائے ۔منظم طریقے سے لکھا ہوا ہونا چاہیے ۔صحافی کو چاہیے کہ الفاظ کا استعمال بڑا مناسب ہو کہ آغاز میں قاری مطمئن ہو جائے۔ اور اس کو کوئی طلب نہ رہے ۔اور یہ کسی صحافتی مقالہ نویس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشکل اور غریب الفاظ کا استعمال کرے کیونکہ قاری کو سمجھنے میں دشواری آئے گی وہ اجنبی مصطلحات سمجھنے سے عاری ہو گا۔ اس لیے مقالہ نویس مجبور ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرے کہ ہر لفظ دوسرے لفظ کی تشریح کر رہا ہو۔ تا کہ قاری اس کو سمجھ جائے اور مقالہ کے مفہوم کو بھی با خوبی سمجھ لے ۔تو صحافت ایک اتصالی ذریعہ ہے ذرائع ابلاغ میں سے لوگوں تک پہنچنے تک ۔ اس لیے یہ بھی لازم ہے کہ ایک مقالہ نویسی کے لیے جو صحافت میں کام کر رہا ہے کہ مقالہ کی مراعاۃ (ضروریات) کو ملحوظ رکھے ۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسن عبد العزیز کہتے ہیں :''کہ مقالہ نویس کی زبان وہی ہونی چاہیے جس کو جمہور میں سے اکثریت سمجھ جائے نہ کہ اقلیت ہی بس مستفید ہو سکے ۔ سادہ اور واضح زبان ہونی چاہیے اور مبالغہ نہیں ہو(59)

مقالہ نویسی کے کو ادوار عربوں میں :

دور جدید کے عربی مقالات نے صحافت کی گود میں جنم لیا ہے۔ اس مقالہ کو تین ادوار میں منقسم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور اسکے اسلوب اور طریقہ کتابت پر منحصر کرتا ہے۔ پھر دور سجع اور بدائع کا آتا ہے۔ پھر آسان اسلوب کا دور ہے ۔ یہ مراحل فطری ہیں ۔ یہ ادوار صرف مقالہ نویسی کا محاصرہ نہیں کرتے بلکہ تمام ادبی انتاج کو محاصرے میں لئے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر شوقی ضیف نے مقالہ نویسی کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلا دور جس میں مقالہ کو انتہائی نگہداشت چاہیے ۔ دوسرا دور جس میں مقالہ

Scanned by CamScanner

نویس کو انتہائی تعلیم یافتہ اور مغربی آداب اور ثقافت سے روشنائی ہونی چاہیے۔ اس کے بعد
کے دور میں اس کے الفاظ کے معانی اور موضوعات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کی دو اشکال
ہونی چاہیں ایک شکل تصویری ہو جس میں کاتب اپنے احساسات کو لفظوں کی شکل میں ڈھالتا
ہے زندگی کی تصویروں میں سے کوئی ایک تصویر لے کر۔ اور دوسری شکل میں مقالہ نویس
حیثیت معلم کام کر رہا ہوتا ہے اور ہماری صحافت تیسرے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ یعنی
اس میں تدریس اور تصویر دونوں چیزیں شامل ہیں۔ (60)

یہ تقسیم تنقیدی اور اُدبی ہے۔ لفظ کے ساتھ معنی کا چولی دامن کا ساتھ ہے مقالہ
نویسی کی تقسیم اس کے موضوعات کے لحاظ سے بھی ہے۔ کہ یہ موضوعات اصلاحی ہوں
اجتماعی ہوں یا سیاسی ہوں یا دینی ہوں۔

ارکان مقالہ نویسی

یقیناً مقالہ نویسی کے ارکان کا تعین بہت مشکل بلکہ مشکل ترین کام ہے۔ خاص
طور پر جب ہم فن مقالہ کو ادب کے دوسرے فنون جیسے ''قصہ گوئی''، ''ڈرامہ نگاری'' عربی
ادب کی ایک خاص صنف ''المقالہ'' یا ''شعر گوئی'' سے موازنہ کریں تو ہر فن کے اپنے خاص
خاص قواعد ہیں جن کے ارد گرد وہ گھوم رہے ہوتے ہیں اور یہ قواعد نقاد اور مطالعہ کرنے
والوں کے ہاں یکساں مقبول ہیں۔ اگرچہ کوئی اختلاف ہو تو وہ انکے جزئیات کے حوالے
سے ہوتا ہے لیکن جہاں تک فن مقالہ کا تعلق ہے اس کے قواعد کا تو یہ کام کافی کٹھن ہے
کیونکہ نقاد ان کے قواعد سے متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ اس چیز کی اصل یہ ہے کہ یہ متعدد اشکال
اور اغراض میں ہے۔ اس فن کا مقصد زیادہ اس کی غرض پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے
مطالعہ کرنے والوں نے کوشش کی ہے کہ اس کے اصول وضوابط وضع کریں۔ ان کوشش
کرنے والوں میں سے ایک ڈاکٹر شکری فیصل ہیں۔ ان کے مطابق ''رائی یعنی سوچ اور اسکی
[illegible] اہم عنصر ہیں اور ان دونوں چیزوں کے ذریعے کسی بھی مقالہ کی اُصل /

Scanned by CamScanner

حقیقت کو ماپہ جا سکتا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ کاتب کی سوچ بہت واضح ہونی چاہیئے اور پھر اسکی ادائیگی یعنی تعبیر صحیح اور خوبصورت ہونی چاہیے ۔اس کے ساتھ اسکو اختصار کا بھی خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اُدب میں حقیقی اور اُصل چیز کی اُھمیت ہے۔(61)

مقالہ نویسی کے چار ارکان ہیں

۱)موضوع یا تجربہ ۲)خطبہ یعنی منصوبہ بندی

۳)طریقہ تعبیر و بیان ۴)مقالے کا مقصد

جہاں تک پہلے رکن کا تعلق ہے، مقالہ نویس اس کو خود اپناتا ہے، اپنے ماحول سے اخذ کرتا ہے، تاریخ یا کسی حادثے سے حاصل کرتا ہے، کسی کتاب سے حاصل کرتا ہے جسے وہ پڑھتا ہے، یا پھر اس کی سوچ اور فکر اسے یہ موضوع اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور وہ زندگی میں اس عنوان سے وابستہ تجربے سے خود گزرا ہوتا ہے اور انہی ذاتی معلومات اور تجربہ کی بنا پر مقالے کو ایک پُر اثر انداز میں تخلیق کرتا ہے۔

دوسرا رکن مقالے کا طریق کار ہے جس میں مقالہ نویس اپنے افکار ترتیب دیتا ہے۔ اس انداز سے کہ اس کی فکر میں ربط قائم رہے۔ مقالہ اگر جسم ہے تو مقالہ نویس کی سوچ اس کی روح کی مانند ہے۔ مقالے کے افکار کا مربوط ہونا ہی اس کے اعلیٰ معیار کی دلیل ہے۔

مقالے کا اسلوب موضوع کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہر مقالہ نویس کی سوچ اپنے تجربات اور ان سے منسلک موضوعات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اس لیے اس پر اسلوب کی کوئی شرط نہیں سوائے اس کے کہ اس کے خیالات مربوط ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اسلوبِ تحریر کسی علمی بحث کی طرح صرف عقلی ہی ہو بلکہ اس میں شعور کا بڑا عمل دخل ہے کیونکہ اعلیٰ ادبی مقالات ہمیشہ انسانی احساسات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تیسرا رکن بیان کا طریقہ ہے۔ مقالہ نویسی میں یہ رکن ایک ستون کی حیثیت رکھتا

Scanned by CamScanner

کیونکہ یہاں مقالہ نویس اپنے اغراض و مقاصد کو بیان کرتا ہے اور یہی وہ اسلوب اور طریقہ تعبیر ہے جو اس کی شخصیت کو مقالے میں اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہاں مقالہ نویس کئی عناصر پر انحصار کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم پہلو الفاظ کا انتخاب اور انہیں کی بہتر ترتیب یعنی موتیوں کی طرح پرونا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح پُرلطف جملوں کی شکل میں نفسِ مضمون کے مطابق آہنگ کا خیال رکھنا ہے۔ قاری کی ذہنی سطح سے مطابقت بھی لازم ہے۔ یہ طریقہ مقالے کو مؤثر بنا دیتا ہے۔ اگر مقالہ نویس دیگر عناصر کے ساتھ ساتھ علم دلالت کا خیال رکھے تو بقول سید قطب ادب میں تحریر کا کردار ختم ہی نہیں ہوتا جس کی بنیاد عبادات اور الفاظ کی معنوی دلالت پر قائم ہے۔ اور یہ مقالوں کو فنی و ادبی اعتبار سے مؤثر بناتی ہے۔ اور انہی عبارات کے ذریعے سے ذہنی معنی کو سمجھنے میں سہل ہوتی ہے اور یہی کسی ادبی تحریر کا اصل جز ہے۔ (62)

چوتھا رکن مقالے کا مقصد ہے۔ مقالہ نویس کا ہدفِ تحریر کسی بھی انسانی مسئلے کو پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے جو مکمل طور پر مقالہ نویس کی نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس کو قاری پڑھنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی مقالہ نویس کا کوئی مقصدِ تحریر نہ ہو تو مقالے کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ محض وقت کا ضیاع ہے۔ جبکہ با مقصد مقالہ اپنے قاری کی سوچ کو ارفع و اعلیٰ بناتا ہے۔

انگریز ناقد ورجینیا وولف نے ارنسٹ رائس (63) کے مقالات کا انتخاب کیا، پھر ان پر تنقید کی۔ یہ تنقید مقالہ نویس کے مقصد اور انسانی فطرت کے اعتبار سے ہے۔ ورجینیا وولف نے تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''یہ مقالات ادبی اعتبار سے بہترین ہیں۔ یہ سچے حقائق پر مبنی ہیں۔ خیالات و ذوق کو ابھارنے والے ہیں اور شوق کو تسکین دینے والے ہیں۔ (64)

یقیناً ارنسٹ کے مقالات کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں۔ اس میں شوق دلانے کا

Scanned by CamScanner

عنصر بہت اہم ہے۔ اس کے مقالات پڑھنے کے لیے قاری کا بالغ نظر ہونا بھی ضروری ہے۔ ایسا قاری ہی اس کے مقالات سے استفادہ کر کے اپنی روح کو تسکین پہنچا سکتا ہے۔

مقالہ نویسی کی اہمیت:

مقالہ نویسی کا فن دنیا کے ادبی فنون میں سے ایک ہے۔ خاص طور پر جب سے اخبار وجود میں آئے تب سے مقالہ نویسی خوب پروان چڑھی۔ اس نے اخباروں سے رسالوں (مجلّات) کی طرف سفر طے کیا۔ طویل مقالوں کے ساتھ ساتھ مختصر مقالوں نے بھی اپنی جگہ بنائی ہے۔ آج کا قاری اپنی مصروفیات کے پیش نظر مختصر مقالے سے بہتر استفادہ کر سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں بین الاقوامی رابطوں کی بنا پر اخبارات اور رسائل دنیا کے تمام ممالک مین آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس لیے دوسرے ادبی فنون کے مقابلے میں مقالہ نویسی زیادہ مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ ان اخبارات و رسائل میں تحریر شدہ مقالوں میں زمانے کے نشیب و فراز، ملکوں کے درمیان دوستیوں دشمنیوں، اقتصادی و معاشی معاملات اور جنگوں کے بارے میں مقالات ہوتے ہیں۔

فن مقالہ نے عربوں سمیت دنیا کی تمام قوموں کو متاثر کیا ہے۔ مصر میں مصطفیٰ کمال کے مقالات جو کہ اخبار "اللواء" میں شائع ہوئے، انہوں نے لوگوں کے احساسات کو ابھارا اور اس طرح الشیخ علی یوسف کے مقالات "المؤید" اخبار میں شائع ہوئے۔ ان مقالات نے لوگوں میں آزادی کا جذبہ جگایا۔ اسی طرح الجزائر میں شیخ عبدالحمید بن بادیس کے مقالات مسلمانوں کی اصلاح کا سبب بنے۔(65)

اخبار کسی بھی نوعیت کے مقالات کی اشاعت کے لیے ایک اہم ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ جیسا کہ سیاسی مقالات سیاسی نظریات کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے عوام اپنے حقوق سے متعارف

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں اور ان کے حصول کو آسان بناتے ہیں۔ ایسے ہی دینی مقالات کی اپنی جگہ بہت
اہمیت ہے جو شخصیت کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں، نفوس کو عیبوں سے پاک کرتے ہیں،
اچھے اخلاق کا درس دیتے ہیں۔ ایسے مقالات میں شیخ محمد عبدہٗ کے مقالات سرِفہرست ہیں
جنہوں نے اسلامی دنیا کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ اسی طرح کے مقالات ان کے شاگرد
رشید رضا نے قلم بند کیے۔ ان مقالات کی اصل روح انسانی عقل کی نشوونما کرتی ہے اور اس
کے ذریعے سے دینی تعلیمات کو پیش کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے تمام خرافات اور غلط افکار کی
نفی کرنا ہے جو بیرونی ذرائع سے دین میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ادبی مقالات سے مختلف مذاہب ادبیہ سامنے آئے۔ ادبی مقالات نے مقالہ
نویس کی جدت کو اس کے تجربوں کے ذریعے سے الفاظ میں ڈھالا۔ اس امر نے قاری کے
قلب پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے احساسات کو گہرا کر دیا۔ یہ قاری کے خیالات کو پروان
چڑھاتے ہیں۔ حسن زیات کے مقالات فن ادب کے نمائندہ ہیں جو اپنے خوبصورت
اسلوب، اچھی فکر اور خیال کی وسعت میں بے مثال ہیں۔ حسن زیات نے کلنطاوی کے
"الرسالۃ" کے بارے میں لکھا ہے جس کو عربی رسائل میں ایک بلند مقام حاصل ہے اور جو
عرب اقوام میں ایک مضبوط رابطے کا ذریعہ ہے۔ اس رسالے پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا
جس میں شام، فلسطین، عراق، حجاز، مراکش، یورپ، امریکا اور سنگاپور سے بڑے بڑے ادبا
شریک ہوئے۔ اس رسالے نے کافی شہرت حاصل کی ہے کیونکہ اس رسالے کے مقالات
جس اسلوب کے حامل ہیں وہ احساسات کو متحد کرتے ہیں۔ لوگوں کو مہذب بناتے ہیں۔
افکار کو دوسروں کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ ایک مستشرق ھانز فیر نے عربی اسلوب کے
ارتقاء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "جدید عربی کے صحافتی اسلوب
میں ایک خاص قسم کا ارتقاء ظاہر ہوا ہے اور یہ صحافتی اسلوب تحریر عالمی سطح پر ایک ہی شکل میں

Scanned by CamScanner

کسی قوم کی اصل اس کی زبان تصور کی جاتی ہے۔ اگر اس قوم کی زبان ایک ہوتی ہے تو ان لوگوں کے دل بھی ایک ہوتے ہیں، ان کے خیالات، احساسات بھی ایک ہوتے ہیں۔ وہ حال اور ماضی سے منسلک ہوتے ہیں۔ اسی لیے فن مقالہ اپنے انہوی اسلوب کے ذریعے سے دوسرے فنون کے مقابلے میں قوم کو متاثر کرنے میں زیادہ مددگار ثابت ہوا ہے۔

سائنسی نظریاتی مقالات فن مقالہ نویسی کے ایسے اسلوب کو پیش کرتے ہیں جن کو اہل علم نے تعریف وتعلیم کے لیے استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر یعقوب صروف ایسے مقالات کے بارے میں اپنے رسالہ ''المقتطف'' میں نئے سائنسی اکتشافات پر علمی مقالات لکھتے ہیں جو ذہن کو منور کرتے ہیں اور لوگوں کو مختلف ایجادات سے روشناس کراتے ہیں۔

معاشرتی مقالات کی بھی اپنی ایک حیثیت ہے۔ مقالہ نویس یا ادیب اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ انہی معاشرتی مسائل کو مقالہ کی صورت عطا کر دیتے ہیں اور اپنے تجربے اور تجزیے کی بنا پر معاشرے کے عیوب کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح چاہتے ہیں۔ ان مقالات کے ذریعے وہ علم و ثقافت کو عام کرتے ہیں۔ عورتوں کے مسائل کے حل بیان کرتے ہیں، غربت و جہالت اور نظریاتی غلامی کے خلاف جنگ سکھاتے ہیں اور ہر نسل کی رہنمائی کا سبب بنتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں معاشرتی مقالوں نے یورپی قصہ نویسی کے ذریعے یورپ کی زندگی پر گہرا اثر چھوڑا، ان میں جارج ایلیٹ اور تھکرے کے مقالات بہت نمایاں ہیں۔(66) ایسی ہی معاشرتی مقالہ نویسی میں فرانسیسی مقالہ نویس جولیس رومائنز Jules Romaians (1868ء-1943ء) نے یورپی اذہان کو بہت متاثر کیا ہے۔ اس نے فرانس اور یورپ کی معاشرتی زندگی کو تاریخی رنگ دیتے ہوئے ایک مسلسل قصے کی شکل عطا کر دی ہے جیسا کہ کہانی ''یوحنا کرستوف'' پر مشتمل ہے۔ پھر اس نے اس کو ''بھلائی کا ارادہ

Scanned by CamScanner

کرنے والے" "Les hommes des bonne volonte" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس میں اس نے مختلف معاشرتی طبقات کی نمائندگی اور عکاسی کی ہے۔

غرضیکہ مقالہ نویسی نے ہر دور میں اپنا کردار ادا کیا ہے اور یہ ہر دور میں ترقی کی راہ پر گامزن رہی ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس کی اہمیت دنیا کے کسی خطے میں بھی کم نہیں ہوئی بلکہ اس فن کو دوسرے ادبی فنون میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔

❖•❖•❖•❖•❖•❖•❖

حوالہ جات

1۔ La Grande Encyclopedie, Larousse, 1972 pg-4541-4542 Essaie

2۔ The Oxford English Dictionary, Britain 1969, Vol,111, pg294, Eassay

3۔ Diccionario de uso delEspanol, Maria Moliner, Gredos, Madrid 1988 Vol 1, pg1136 Ensayo

4۔ ابن منظورالمصر ي، لسان العرب، مادۃ: قول (TO SAY) (کہنا)

5۔ تاج العروس من جواھر القاموس، محمد مرتضٰی الزبیدی، طباعت بولاق ۱۳۰۷ھ، ۸۹/۸، باب اللام فصل القاف۔

6۔ عبدالعزیز العتیق، فی النقد الأدبی، دار النھضۃ العربیۃ، بیروت طباعت الثانی ۱۹۷۲م ص ۲۳۲

7۔ ابوحسن الأشعری، مقالات الاسلامیین، القاھرۃ ۱۹۶۹م۔

8۔ ابن ندیم، الفہرست، طباعت لبنان

9۔ ضیاء الدین ابن الأثیر، تحقیق د۔ أحمد الحوفی اور د۔ بدوی طبانۃ، القاھرۃ طباعت ۱۹۷۳م

10۔ میں نے "چہار مقالہ" سمجھنے میں فارسی استاذ کی مدد حاصل کی ہے۔ د رجاء جبر

Scanned by CamScanner

11۔ مجدی وھبۃ، معجم المصطلحات الأدبیۃ، بیروت، ص ۱۵۰ مادۃ مقال

12۔ علی أدھم، الأدب والنقد، دار المعارف مصر، ۱۹۷۹م، ص ۲۰۱

13۔ ستلاند

14۔ ستلاند

15۔ An Introduction to the study of Literature, WilliamHenry Hudson Britian 1965, pg332-335

16۔ English Language and Literature, Michael Balcon and others, London 1948 pg116

17۔ An Introduction to the study of Literature, pg 333 Bacons Essays compliled by Mohammad Sharif and Miss Ishrat Naz Lahore Pakistan pg 14

18۔ بکری شیخ أمین، الحرکۃ الأدبیۃ فی المملکۃ السعودیۃ، دار العلم للملایین، بیروت، طباعت رابع، ۱۹۸۵م ص ۵۲۶

19۔ A short history of French Lilerature, Geoffrey Brerton, London 1954, pg 263-- 264.

20۔ Advanced Literature Essays, Master Academy, Lahore Pakistan pg 236

21۔ معجم مصطلحات الأدب، ص ۱۵۰

22۔ محمد یوسف نجم، فن المقالہ، بیروت، ص ۹۶

23۔ The Encyclopedia American ,U.S.A ,1986 vol 10 pg 589

24۔ سید قطب، النقد الأدبی، أصولہ ومناھجہ، دار الشروق، مصر، طباعت، ۱۹۹۳م ص ۹۳

Scanned by CamScanner

-25 عزالدین اسماعیل، الأدب وفنونہ ص ۲۲۶۔

-26 The Oxfrd English Dictionary, Britian 1969 vol 3 pg294

-27 A short History of French Literature, pg 263, The penguim Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, J.A Cuddon 3rd edition England 1991 pg 124 Causerie

-28 طہ حسین، حدیث الاربعاء، طباعت دار المعارف، مصر، ۳ ج

-29 The pengium Dictionary of Literory terms, pg 749 -- 750 propos

-30 Dramatic poesy and other Essays, Editedby Ernest Rhys, LONDON1939 , pg 5 ---56.

-31 الأدب والنقد، ص ۲۰۱

-32 Essay on Criticism, Alexander pope 1711.

-33 Essay on Man , Edition by Bahir Hussain, Lahore , Pakistan.

-34 طاہر مکی، الأدب المقارن أصولہ وتطورہ ومناھجہ، دار المعارف مصر طباعت ۱۹۸۷ ص ۵۸۸

-35 Encyclopedia Americana vol 10 npg 590

-36 أحمد حسن الزیات، تاریخ الأدب العربی لاھور ص ۲۶۷--۲۶۹

-37 عمر فروخ، تاریخ الأدب العربی ۹۲۶/۳---۹۳۰ طباعت القاھرۃ ۱۳۰۴ھ

-38 محمد مندور، الأدب وفنونہ مصر القاھرۃ، ۱۹۸۰م ص ۱۸۰

-39 دعزالدین اسماعیل، الأدب وفنونہ ص ۲۱۹

Scanned by CamScanner

40- النقد الأدبی، ص ۲۳۳___۲۳۴

41- سید قطب، النقد الأدبی أصوله ومناهجه، دار الشرق، مصر ۱۹۹۳ ص ۲۳۴

42- Essay of Elia Chaheslamb, Edited with a critical introduction by, Rafiq Ahmed khan Lahore Pakistan.

43- Chambers Encyclopedia, London 1970, vol 15 pg 375 376 The English Essay and Essayist, Hugh Walker 1915.

44- introduction a los Estudios Literarios Rafeel Lapesa Melgar, catedra, 16 Edition 1986 Madrid pg 181,Encyclopedia of Philosophy vol 8,pg 182 --185 London 1972 . Introduction a los Estudios, p 181

45- La cultura en cuba socalista, La Hambame cuba1982 , . p32.

46- عبد اللطیف حمزة، أدب المقالة الصحفیة فی مصر القاهرة ۱/۳۵___۲۶

47- دائرة المعارف الاسلامیة، الترجمة العربیة مادة جریدة ۳۵۵___۳۷۱

48- عماد الصلح ''أحمد فارس الشریاق، آثاره وعصره، ۱۹۸۷م ص ۸۷

49- مصدر سابق، ص ۸۸۔

50- دائرة المعارف الاسلامیة، الترجمة العربیة، مادة جریدة ج ۶/۳۴۹

51- محمد زکی العشماوی۔ الأدب وقیم الحیاة المعاصرة، دار النهضة العربیة، بیروت ۱۹۸۰م ص ۱۳۸___۱۳۹

53- جورجی زیدان، تاریخ آداب اللغة العربیة، القاهرة طباعت الهلال ۴/۵۸

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر شوقی ضیف، الأدب المعاصر فی مصر، دار المعارف طباعت ۱۹۸۳م ص ۲۰۶

54- شوقی ضیف، الأدب العربی المعاصر فی مصر۔ دار المعارف ۱۹۸۳م ص ۲۰۶

55- أحمد حسن الزیات، تاریخ الأدب العربی دار نشر الکتب الاسلامیة لاهور پاکستان

56- ص ۲۸۱

عبد اللطیف حمزة، المدخل فی فن التحریر الصحفی، دار الفکر العربی مصر ۱۹۰۶ ص ۱۵۸

57- الصحافة مهنة ورسالة ص ۱۹

58- محمد حسن عبد العزیز، لغة الصحافة المعاصرة، دار المعارف ۱۹۷۸م ص ۲۱

59- شوقی ضیف فی النقد الأدبی، دار المعارف مصر الطبعة السادسة ۱۹۸۱م ص ۲۰۳۔۔۲۰۵

60- ڈاکٹر شکری فیصل، الأصالة والتجدید فی المقال الأدبی، مجلة مجمع اللغة العربیة بدمشق،

61- ینایر ۱۹۷۲، ص ۷۴۳۔۔۷۷۱

62- النقد الأدبی، أصوله ومناهجه، ص ۳۴

63- Modern English Essays, Ernest Rhys, 5 vols. Britain

64- The Common Reader, Virginia Woolf, London 1975,
P: 267-280

65- محمد ناصر المقالة الصحفة الجزائریة، الشرکة الوطنیة النشر والتوزیع، 1978ء،
الباب خامس۔

66- An Introduction to the study of Literature, p 335

Scanned by CamScanner